مختصر سرگذشت مصنّف

ناکارۂ خلائق بندہ محمد شفیع ابن مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ حق تعالیٰ نے اس کا مولد و وطن مرکز علوم اسلامیہ دیوبند کو بنا دیا، اور ایسے والد محترم کی آغوش میں پرورش کا موقع عطا فرمایا جو حافظ قرآن اور عالم دین ہونے کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے ہمعمر تھے، دارالعلوم دیوبند کے بانیان علمائے ربانی کی صحبتوں سے فیض یاب ہونے کے مواقع ان کو ہمیشہ میسر رہے، ان کا وجود ان بزرگوں کا زندہ تذکرہ تھا، اور ان کی زندگی بچپن سے وفات تک دارالعلوم دیوبند ہی میں پوری ہوئی، وہیں تعلیم حاصل کی، وہیں مدرس ہو کر ساری عمر تعلیم کی خدمت گذاری کی۔

احقر کی ابتداء تعلیم قرآن والد محترم کی تجویز سے دارالعلوم کے اساتذۂ قرآن حافظ عبدالعظیم صاحب اور حافظ نامدار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے پاس ہوئی، اور پھر خود والد محترم کی خدمت میں رہ کر اردو، فارسی، حساب، ریاضی اور ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی، پھر ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم کے درجۂ عربی میں باقاعدہ داخلہ لے کر ۱۳۳۵ھ تک درس نظامی کا نصاب ان ماہر فن اساتذہ کی خدمت میں رہ کر پورا کیا جن کی نظیر آج دنیا کے کسی گوشے میں ملنا مشکل ہے، بچپن سے متوسط تعلیم عربی تک شیخ العرب والعجم سیدی حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری دی، کبھی کبھی درس بخاری کی غیر رسمی حاضری نصیب رہی، مالٹہ جیل سے واپس تشریف لانے کے بعد انہی کے دست حق پرست پر بیعت طریقت نصیب ہوئی، اور علوم عربیہ کی باقاعدہ تعلیم حضرات ذیل سے حاصل کی، حافظ حدیث جامع العلوم حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، اور ماہر علوم معقول و منقول حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب و حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب۔

افسوس ہے کہ ان سطور کی تحریر کے وقت آخر الذکر دو بزرگوں کے سوا سب اس دار فانی سے رحلت فرما چکے ہیں، حق تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کا سایہ تادیر[1] بعافیت قائم رکھیں، اور اہل علم کو ان سے فیض یاب ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرمائیں۔

---

[1] ۲۳ شعبان ۱۳۹۰ھ کو جبکہ معارف القرآن پر نظرثانی کا کام شروع ہوا تو یہ دونوں بزرگ بھی رخصت ہو چکے ہیں، حق تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں، اور درجات عالیہ نصیب فرمائیں، ۱۲ منہ

اساتذہ اور اکابر دارالعلوم کی نظر شفقت و عنایت اوّل ہی سے اس ناکارہ پر مبذول تھی، ۱۳۳۶ھ میں احقر نے فنون کی بقیہ چند کتابیں قاضی اور میر زاہد اور امور عامہ وغیرہ پڑھنا شروع کیا تھا کہ اسی سال میں اکابر دارالعلوم نے احقر کو کچھ سبق پڑھانے کے لئے دیدیئے، اس طرح ۱۳۳۶ھ میری تعلیم و تعلم کا مشترک سال تھا، ۱۳۳۷ھ سے باقاعدہ دارالعلوم میں تدریس کی خدمت پر لگا دیا گیا، بارہ سال مسلسل مختلف علوم و فنون کی متوسط اور اعلیٰ کتابوں کے درس کی خدمت انجام دی، ۱۳۴۹ھ میں مجھے صدر مفتی کی حیثیت سے دارالعلوم کا منصب افتاء سپرد کیا گیا، اس کے ساتھ کچھ کتابیں حدیث و تفسیر کی بھی زیر درس رہیں، اور بالآخر ۱۳۶۲ھ میں تحریک پاکستان کی جدوجہد اور کچھ دوسرے اسباب کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوگیا۔

دارالعلوم کی چھبیس سالہ خدمتِ درس و فتویٰ کے ساتھ خاص خاص موضوعات پر تصنیف کا بھی سلسلہ جاری رہا، ان تمام مشاغل اور بزرگانِ دارالعلوم کی صحبت سے اپنے حوصلے کے مطابق قرآن و حدیث سے کچھ مناسبت ہوگئی تھی، حضرت مجدد الملۃ حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کا شرف تو طالب علمی کے زمانے میں بھی ہوتا رہتا تھا مگر ۱۳۴۶ھ سے تجدید بیعت کے ساتھ مسلسل حاضر باشی کا شرف حاصل ہوا جو تقریباً بیس سال حضرت اقدس کی وفات رجب ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا، حضرت قدس سرہٗ کو حق تعالیٰ نے جملہ علوم و فنون کی کامل مہارت عطا فرمائی تھی، اور ان میں سے خصوصاً تفسیر اور تصوف آپ کے مخصوص فن تھے ان دونوں علوم میں آپ کی تصانیف بیان القرآن، التکشف اور التشرف و دیگر رسائل تصوف اس پر کافی شاہد ہیں، حضرت قدس سرہٗ نے اپنی آخری عمر میں یہ ضرورت محسوس فرمائی کہ احکام القرآن پر کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں عصر حاضر کے مسائل کو بھی جس قدر قرآن کریم سے ثابت ہوتے ہیں واضح کیا جائے، اس کام کو جلد پورا کرانے کے خیال سے چند اصحاب میں تقسیم فرمایا، اس کا ایک حصہ احقر کے بھی سپرد ہوا جس کا کچھ حصہ تو حضرت قدس سرہٗ کی حیات ہی میں آپ کی زیر نگرانی لکھا گیا، باقی حضرت کی وفات کے بعد بعونہٖ تعالیٰ پورا ہوگیا، اور دو جلدوں میں شائع بھی ہوچکا، یہ مجموعہ عربی زبان میں ہے۔

اس سلسلے نے حضرتؒ کی برکت سے بحمد اللہ قرآن کریم کے ساتھ ایک خصوصی تعلق اور طلب پیدا کر دی، اس کے بعد قضاء و قدر سے زندگی میں ایک نئے انقلاب کا دروازہ کھلا، ۱۳۶۵ھ یعنی ۱۹۴۶ء میں پاکستان کی تحریک قوی ہو کر پورے ملک میں پھیلی، حضرت قدس سرہٗ کے سابقہ ایماء اور موجودہ اکابر کے ارشاد پر اس تحریک میں حصہ لیا، اور دو سال کے شب و روز اس جدوجہد میں صرف کئے، مدراس سے پشاور تک اور مغرب میں کراچی تک پورے ملک کے دورے کئے، یہی تحریک پاکستان

اور اس کی جد و جہد بالآخر دارالعلوم دیوبند سے استعفاء دینے پر منتہی ہوئی، اور آخرکار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ دیرینہ تمنا پوری فرمادی، کہ ہندوستان تقسیم ہو کر مسلمانوں کے لئے خالص اسلام کے نام پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان کے نام سے وجود میں آگئی۔

اسلامی سلطنت، اسلامی نظام، اسلامی قانون کی قدیم تمنائیں اب امید کی صورت میں تبدیل ہونے لگیں، اور اس کے ساتھ وطنِ مالوف کو ترک کرنے اور پاکستان کو وطن بنانے کی کشمکش دل میں موجزن ہوئی، وطن اصلی دیوبند کے علومِ اسلامیہ کا مرکز اور منتخب علماءِ امت کا مرجع ہونے پر نظر جاتی تو سعدی شیرازیؒ کا یہ شعر یاد آتا ؎

تولّائے مردانِ ایں پاک بوم
برانگیختم خاطر از شام و روم

لیکن جب ملک کے سیاسی حالات اور ہندوستان میں مسلمانوں اور ان کے اداروں کے مستقبل پر نظر جاتی تو کوئی روشن پہلو سامنے نہ آتا، اس کے خلاف پاکستان میں ہر طرح کی صلاح و فلاح کی امید بظاہر اسباب نظر آتی تھی، ادھر یہ کشمکش جاری تھی اور دوسری طرف پورے ملک میں بدامنی اور قتل و غارت گری کے قیامت خیز ہنگامے کھڑے ہوگئے، ہندوستان میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا، لاکھوں انسانوں کو بجبر پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا، اور پھر جانے والوں کو عافیت کے ساتھ جانے کا موقع بھی نہ دیا گیا، جابجا قتلِ عام، خوں ریزی، لوٹ مار اور اغواء کے روح فرسا نظارے تھے، کسی کا صحیح سالم پاکستان پہنچ جانا ایک اعجوبہ یا کرامت سمجھا جاتا تھا، آٹھ ماہ کے بعد یہ ہنگامے کچھ فرو ہوئے تو میرے استاذ محترم اور پھوپھی زاد بھائی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور چند عمائد کراچی نے یہ ارادہ کیا کہ پاکستان کے لئے اسلامی دستور کا ایک خاکہ مرتب کر کے حکومت کے سامنے رکھا جائے، تاکہ جس مقصد کے لئے پاکستان بنا ہے وہ جلد سے جلد بروئے کار آسکے، اس تجویز کے لئے منجملہ چند علماء کے احقر کو بھی ہندوستان سے کراچی آنے کی دعوت دی گئی تھی۔

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ یکم مئی ۱۹۴۸ء میری عمر میں عظیم انقلاب کا دن تھا جس میں وطن مالوف مرکزِ علوم دیوبند کو خیرباد کہہ کر صرف چھوٹے بچوں اور ان کی والدہ کو ساتھ لے کر پاکستان کا رُخ کیا، والدہ محترمہ اور اکثر اولاد اور سب عزیزوں اور گھر بار کو چھوڑنے کا دل گداز منظر اور جس طرف جا رہا ہوں وہاں ایک غریب الوطن کی حیثیت سے وقت گذارنے کی مشکلات کے ساتھ ایک نئی اسلامی حکومت کا وجود اور اس میں دینی رجحانات کے بروئے کار آنے کی خوش کن امیدوں کے ملے جلے تصورات میں غلطاں و پیچاں۔

دہلی اور چند مقامات پر ٹھہرتے ہوئے ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ ۶ مئی ۱۹۴۸ء کو اللہ تعالیٰ نے حدودِ پاکستان میں پہنچا دیا اور کراچی غیر اختیاری طور پر اپنا وطن بن گیا، یہاں آئے ہوئے اس وقت پندرہ سال پورے ہو کر تین ماہ زیادہ ہو رہے ہیں، اس پندرہ سال میں کیا کیا اور کیا دیکھا، اس کی سرگذشت بہت طویل ہے یہ مقام اُس کے لکھنے کا نہیں، جن مقاصد کے لئے پاکستان محبوب و مطلوب تھا اور اس کے لئے سب کچھ قربان کیا تھا، حکومتوں کے انقلابات نے ان کی حیثیت ایک لذیذ خواب سے زیادہ باقی نہ چھوڑی ؎

بلبل ہمہ تن خوں شد و گل شد ہمہ تن چاک
اے وائے بہارے اگر این ست بہارے

حکومت کے راستے سے کسی دینی انقلاب اور نمایاں اصلاح کی امیدیں خواب و خیال ہوتی جاتی ہیں، تاہم عام مسلمانوں میں دینی بیداری اور امورِ دین کا احساس بحمد اللہ ابھی تک سرمایۂ زندگی بنا ہوا ہے، ان میں اہلِ صلاح و تقویٰ کی بحمد اللہ خاصی تعداد موجود ہے، اسی احساس نے یہاں دینی خدمتوں کی راہیں کھولی ہوئی ہیں۔

حکومت کے پیمانے پر اصلاحی کوششوں کے علاوہ عوامی طرز سے اصلاحی جد و جہد اور اس کے لئے کچھ اداروں کا قیام جو شروع سے پیش نظر تھا اُس کی ابتداء ۱۳۷۰ھ، ۱۹۵۰ء میں اس طرح ہوئی کہ آرام باغ کراچی کے متصل مسجد باب الاسلام میں روزانہ بعد صبح درسِ قرآن شروع ہوا اور ہر طرف سے آنے والے سوالات کے جواب میں جو فتاویٰ مسلسل لکھے جاتے اور بغیر نقل کے روانہ کر دیئے جاتے تھے، اب اس کا انتظام اسی مسجد میں ایک دارالافتاء کے قیام کی صورت میں عمل میں آیا، یہ درسِ قرآن اُمید سے زیادہ مفید و مؤثر ثابت ہوا، سننے والوں کی زندگی میں انقلاب کے آثار دیکھے گئے، احقر ناکارہ کو زندگی کا ایک اچھا مشغلہ مل گیا، بعد نماز فجر روزانہ ایک گھنٹے کے عمل سے سات سال میں بحمد اللہ یہ درسِ قرآن مکمل ہو گیا۔

یہاں تک کی تمہید ماہ صفر ۱۳۸۳ھ میں اُس وقت لکھی گئی تھی جبکہ تفسیر معارف القرآن کو کتابی صورت میں لانے کا ارادہ ہوا تھا، پھر ۱۳۸۸ھ تک یہ سلسلہ ملتوی رہا، ۸۸ھ سے اس کا کام شروع ہوا جو ۱۳۹۲ھ تک پانچ سال میں بحمد اللہ مکمل ہو گیا، اس تمہید کا آگے آنے والا حصہ تکمیلِ تفسیر کے بعد ۱۳۹۲ھ میں لکھا گیا۔

تفسیر معارف القرآن کی تصنیف قدرتی اسباب سے

احقر ناکارہ گنہگار بے علم و بے عمل کی یہ جرأت کبھی بھی نہ ہوئی کہ قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا ارادہ کرتا مگر نیرنگِ تقدیر سے اس کے اسباب اس طرح شروع ہوئے کہ ریڈیو پاکستان سے روزانہ

نشر ہونے والے درس قرآن کے متعلق مجھ سے فرمائش کی گئی جس کو چند اعذار کی بناء پر میں قبول نہ کر سکا پھر انھوں نے ایک دوسری تجویز پیش کی کہ روزانہ درس کے سلسلہ سے الگ ایک ہفتہ واری درس بنام معارف القرآن جاری کیا جائے، جس میں پورے قرآن کی تفسیر پیش نظر نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کی موجودہ ضرورت کے پیش نظر خاص خاص آیات کا انتخاب کر کے اُن کی تفسیر اور متعلقہ احکام بیان ہوا کریں، احقر نے اس کو اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا کہ درس کا کوئی معاوضہ نہ لوں گا اور کسی ایسی پابندی کو بھی قبول نہ کروں گا جو میرے نزدیک درس قرآن کے مناسب نہ ہو، یہ شرط منظور کر لی گئی۔

بنام خدا تعالیٰ یہ درس بنام معارف القرآن ۳ رشوال ۱۳۷۳ھ ۲ رجولائی ۱۹۵۴ء سے شروع ہوا اور تقریباً گیارہ سال پابندی سے جاری رہا یہاں تک کہ جون ۱۹۶۴ء میں ریڈیو پاکستان کی اپنی نئی پالیسی کے تحت اس درس کو ختم کر دیا گیا، یہ درس معارف القرآن تیرہویں پارے اور سورۂ ابراہیم پر ختم ہو گیا جس میں ان تیرہ پاروں کی مکمل تفسیر نہیں بلکہ منتخب آیات کی تفسیر تھی، احقر نے ایسی درمیانی آیات کو اس میں شامل نہیں کیا تھا جو خالص علمی مضامین پر مشتمل تھی اور ریڈیائی تقریر کے ذریعہ عوام کے ذہن نشین کرنا اس کا مشکل تھا، یا وہ آیات جو مکرر مکرر آئی ہیں۔

جس وقت یہ کام شروع کر رہا تھا اس کا کوئی دور دور خیال نہ تھا کہ یہ کسی وقت کتابی صورت میں ایک مستقل تفسیر کے انداز پر شائع ہو گی، مگر ہوا یہ کہ جب یہ درس نشر ہونا شروع ہوا تو پاکستان کے سب علاقوں سے اور ان سے زیادہ غیر ممالک افریقہ یورپ وغیرہ میں بسنے والے مسلمانوں کی طرف سے بے شمار خطوط ریڈیو پاکستان کو اور خود احقر کو وصول ہوئے جن سے معلوم ہوا کہ بہت سے دیندار اور نو تعلیم یافتہ مسلمان اس درس سے بہت شغف رکھتے ہیں، افریقہ میں چونکہ یہ درس آخر شب یا بالکل صبح صادق کے وقت پہونچتا تھا وہاں کے لوگوں نے اس کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر کے بعد میں سب کو بار بار سنانے کا اہتمام کیا، اور جگہ جگہ سے اس کا تقاضا ہوا کہ اس درس کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے، عام مسلمانوں کے اس اشتیاق نے اس ناکارہ کی ہمت بڑھا دی اور امراض و ضعف کے باوجود گیارہ سال تک یہ سلسلہ بڑی پابندی سے جاری رکھا، ۱۳۸۳ھ اور ۱۹۶۴ء میں جب درس کا سلسلہ بند ہوا تو بہت سے حضرات کی طرف سے یہ تقاضا ہوا کہ جتنا ہو چکا ہے اس کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے، اور درمیان میں جو آیات چھوڑی گئی ہیں ان کی بھی تکمیل کر دی جائے، بنام خدا یہ ارادہ کر لیا کہ موجودہ پر نظر ثانی اور درمیان سے باقی ماندہ آیات کی تکمیل کا کام شروع کیا جائے، چنانچہ ۱۶ رصفر ۱۳۸۳ھ میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر کی نظر ثانی مکمل ہو گئی، اور سورۃ بقرہ پر کام شروع کیا، اس میں احکام کی آیات مشکلہ بہت ہیں جو ریڈیو پر نشری تقریر میں نہیں آئی تھیں، یہ کام بہت محنت اور فرصت کا متقاضی تھا، ہجوم

مشاغل اور امراض نے فرصت نہ دی اور تقریباً یہ کام ذہول میں پڑ گیا۔

یہ عجب تقدیر ایک شدید و طویل بیماری تکمیل تفسیر کا سبب بن گئی

۱۳۸۸ھ کے شعبان میں احقر کے اسفل بدن میں کچھ پھوڑے کی شکل نمودار ہوئی، اور رفتہ رفتہ بڑھتی گئی، آخر رمضان میں اس نے کھڑے ہونے سے معذور کر دیا، آخری آٹھ روزے بھی قضا ہوئے، گھر میں بیٹھ کر نماز ہونے لگی، اس کے ساتھ پاؤں میں نقرس کا پرانا درد شروع ہوا، اس کا جو علاج پہلے کارگر ہو جاتا تھا وہ بھی کامیاب نہ ہوا اور دونوں پاؤں سے معذور ہو گیا، تقریباً دس مہینے اسی طرح معذوری و بیماری کے ساتھ موت و حیات کی کشمکش میں گذرے، جب چلنے پھرنے اور ہر کام سے معذور ہو گیا، زندگی کی امید بھی مضمحل ہو گئی تو اب اس پر افسوس ہوا کہ یہ تفسیری اوراق جس قدر ہو چکے تھے اُن پر نظر ثانی اور تکمیل بھی نہ ہو سکی' اب یہ اوراق یونہی ضائع ہو جائیں گے، حق تعالیٰ نے قلب میں ہمت عطا فرمائی' اور شوال ۱۳۸۸ھ کے آخر میں بستر علالت پر ہی اللہ تعالیٰ نے اس کام کو شروع کرا دیا، اور ۲۵ رذیقعدہ ۱۳۸۸ھ کو سورۃ بقرہ کی تکمیل ہو کر کتابت و طباعت کے لئے دیدی، اس کے بعد سے عین بیماری و معذوری کی حالت میں یہ کام تدریجی رفتار سے چلتا رہا، اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے دس ماہ کے بعد معذوری بھی رفع فرما دی تو رجب ۱۳۸۹ھ سے کام کسی قدر تیز ہوا، مگر اسی کے ساتھ ملک میں جدید انتخابات نے سیاسی ہنگاموں کا ایک طوفان کھڑا کر دیا، میں اگرچہ عرصہ دراز سے سیاست سے بالکل یکسو ہو چکا تھا، مگر ان انتخابات نے پاکستان میں خالص اسلامی حکومت کے بجائے کمیونزم اور سوشل ازم پھیل جانے کے خطرات قوی کر دیئے، اور سوشل ازم کو عین اسلام باور کرانے کے لئے جد و جہد اور جلسے و جلوس عام ہو گئے، اس مسئلے کی نزاکت نے پھر اس پر آمادہ کر دیا کہ کم از کم اسلام اور سوشل ازم میں فرق اور سوشلزم کے خطرناک نتائج سے قوم کو آگاہ کرنے کی حد تک اس سیاسی میدان میں حصہ لیا جائے، اس کے لئے تحریری مقالے بھی لکھنے پڑے، اور مشرقی و مغربی پاکستان کے اہم مواقع میں جلسوں میں شرکت بھی کرنا پڑی، مسئلہ کی وضاحت تو بقدر ضرور پوری ہو گئی، مگر سیاست کے میدان میں مسائل اور حقائق سے زیادہ زور و زر یہ کام کرتے ہیں انتخابات کا نتیجہ بالکل خلاف اور برعکس نکلا، اس کے اثر سے پاکستان پر جو زوال آنا تھا وہ آ گیا، وَلِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔

انتخابات کے بعد احقر نے پھر سیاست سے مستعفی ہو کر اپنا یہ کام شروع کیا، اور الحمد للہ علیٰ کرمہ کہ رجب ۱۳۹۱ھ تک تیرہ پاروں کی معارف القرآن پر نظر ثانی اور درمیانی متروکہ آیات کی تفسیر بھی مکمل ہو گئی، اور سورۂ ابراہیم سے سورۂ نحل تک دو پاروں کی مزید تفسیر بھی لکھی گئی، اب قرآن مجید نصف کے قریب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی، اور باقی ماندہ قرآن

کی تفسیر لکھنا شروع کیا، اس کا اس وقت کوئی تصور نہیں تھا کہ چھہتر سال کی عمر اور سقوط قوٰی، اس کے ساتھ مختلف قسم کے امراض کے تسلسل میں یہ تفسیر پوری ہو سکے گی، مگر یہ سمجھ کر کہ قرآن کو ختم کرنا مقصود نہیں قرآن میں اپنی عمر کو ختم کرنا ہے، اللہ کے نام پر یہ سلسلہ شروع کر دیا، شعبان ۱۳۹۰ھ سے سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر شروع ہوئی، اور ۲۳ صفر ۱۳۹۱ھ کو قرآن کی چوتھی منزل سورۂ فرقان پارہ ۱۹ تک مکمل ہو گئی۔

آگے قرآن کی تین منزلیں یعنی تقریباً ایک تہائی قرآن کریم باقی تھا، عمر کے ضعف اور مختلف قسم کے امراض کی بنا پر یہ خیال آیا کہ اس سب کی تکمیل تو شاید مجھ سے نہ ہو سکے، مگر درمیانی پانچویں اور چھٹی منزل کی تفسیر احقر نے احکام القرآن میں بزبان عربی لکھدی ہے جو شائع بھی ہو چکی ہے، اگر میں اس کو نہ لکھ سکا تو میرے بعد بھی کوئی اللہ کا بندہ اسی احکام القرآن کی تفسیر کو اردو میں منتقل کر کے یہ حصہ پورا کر دے گا، اور اس کی وصیت بھی چند حضرات کو کر دی، اور درمیان کی یہ دو منزلیں چھوڑ کر آخری ساتویں منزل سورۂ قٓ سے لکھنا شروع کر دیا، حق تعالیٰ کی مدد اور دستگیری فرمائی اور ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ سے شروع ہو کر شوال ۱۳۹۱ھ تک یہ آخری منزل پوری ہو گئی، صرف معوذتین یعنی آخری دو سورتیں چھوڑ دی گئیں۔

اب درمیانی دو منزلیں سورۂ شعراء سے سورۂ حجرات تک باقی تھیں اللہ کے نام پر ان کو بھی شروع کر دیا، ان میں سورۂ صٓ، صافات، زخرف تو برخوردار عزیزی مولوی محمد تقی سلمہ سے لکھوائی اور خود اس پر نظر ثانی کر کے مکمل کیا، باقی سورتیں خود لکھنا شروع کیں، اور قرآن مجید تقریباً ڈیڑھ پارہ باقی رہ گیا تھا کہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ ۸ جون ۱۹۷۲ء کو اچانک مجھے قلب کا ایک شدید مرض پیش آیا، کہ موت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا، دیکھنے والے تھوڑی دیر کا مہمان سمجھتے تھے، کراچی میں امراضِ قلب کے ہسپتال میں غیر شعوری طور پر پہنچا دیا گیا، تین روز کے بعد ڈاکٹروں نے کچھ اطمینان کا اظہار کیا، جب کچھ ہوش و حواس درست ہوئے تو باقی ماندہ تفسیر کا خیال ایک حسرت بن کر رہ گیا، برخوردار عزیزی مولوی محمد تقی سلمہ کو وصیت کر دی کہ بقیہ کی تکمیل وہ کر دیں، اس طرح قلب کا کچھ بوجھ ہلکا کیا، اللہ تعالیٰ کا ہزاراں ہزار شکر کہ اس نے اس مرض سے صحت بھی عطا فرمائی، اور تین مہینے کے بعد اتنی طاقت تھی کہ کچھ لکھنے پڑھنے کی ہمت ہونے لگی، مگر تھوڑی دیر کام کرنے سے دماغ، دل، نگاہ سب تھک جاتے تھے، محض حق تعالیٰ کا فضل و کرم ہی تھا کہ اس نے اسی حالت میں یہ بقیہ تفسیر ۲۱ شعبان ۱۳۹۲ھ روز شنبہ کو مکمل کرا دی اور حسن اتفاق سے یہی روز ۱۳۱۴ھ میں میری ولادت کا دن تھا، اس روز میری عمر کی ستتر منزلیں پوری ہو کر اٹھترواں سال شروع ہوا۔

اس تفسیر کا آغاز ۱۳۸۷ھ کی شدید بیماری میں ہوا اور خاتمہ پانچ سال کے بعد ۱۳۹۲ھ کی شدید بیماری کے متصل بعد ہوا، یہ پانچ سال آخر عمر کے طبعی ضعف، مختلف قسم کے امراض کے تسلسل افکار کے ہجوم اور ملک میں انقلابی ہنگاموں کے سال تھے، انہی میں حق تعالیٰ نے اس تفسیر کے تقریباً سات[1] ہزار صفحات اس ناکارہ کے قلم سے لکھوا دیئے، اور یہ بات آنکھوں سے دکھلا دی کہ ؎

اِنّ المقادیر اذا ساعدت   الحقت العاجز بالقادر

"یعنی جب تقدیر الٰہی مدد کرتی ہے تو عاجز کو قادر کے ساتھ ملا دیتی ہے"

علم و عمل پہلے ہی برائے نام تھا، اس ضعف و پیری اور امراض و مشاغل و ذہول نے رہا سہا بھی رخصت کر دیا، ان حالات میں کسی تصنیف خصوصاً قرآن کریم کی تفسیر کا ارادہ کرنا بھی ایک بڑی جسارت تھی، اطمینان اس پر تھا کہ اس میں میری اپنی کوئی چیز نہیں، اکابر علماء اور سلف صالحین کی تفسیر کو آسان زبان میں اہل عصر کی طبائع کے قریب بنانا میری ساری محنت کا حاصل تھا، میں نے آخر عمر کے پانچ سال کی یہ محنت شاقہ اس تمنا میں صرف کی کہ عصر جدید کے مسلمان جو عموماً علمی اصطلاحات اور علمی زبان سے بیگانہ ہو چکے ہیں اکابر کی تفسیر کو ان کے لئے اقرب الی الفہم کر دوں تو شاید اس زمانے کے مسلمانوں کو اس سے نفع پہونچے، اور میرے لئے زاد آخرت بن جائے، علماء محققین اپنی علمی تحقیقات کے کمالات دکھلاتے ہیں اس ناکارہ نے اپنی بے علمی کو اس پردہ میں چھپایا ہے، اللہ تعالیٰ مجھ سے اپنی ستاری کا معاملہ فرما دیں، اور اس ناچیز کی خدمت کو قبول فرما دیں، جس میں کسی علمی کمال کا تو کوئی دخل نہیں، البتہ اپنے آپ کو تھکایا ضرور ہے، اور یہ تھکانا بھی اللہ ہی کی توفیق سے تھا، ورنہ ایک قدم چلنے کی بھی کیا مجال تھی، کاش اللہ تعالیٰ میرے اس تھکنے پر نظر فرمائیں اور میری تقصیرات کو جو اس کی کتاب کریم کے حقوق ادا کرنے میں ہوئی ہیں معاف فرما کر اس کو شرف قبولیت عطا فرما دیں ؎

نہ بحرف ساختہ سرخوشم ٭ نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم ٭ چہ عبارت و چہ معانیم

---

[1] یہ بھی اس حال میں کہ دار العلوم کی انتظامی ذمہ داریاں اور فتوے کی مستقل خدمات کے علاوہ دوسرے اہم موضوعات پر دس مختصر اور مفصل کتابیں اور بھی لکھی گئیں جو شائع ہو چکی ہیں: (۱) احکام الحج جو مختصر اور سلیس ہونے کے ساتھ تمام ضروری احکام کو جامع بھی ہے (۲) ایراقیت فی احکام المواقیت (مواقیت حج اور جدہ سے احرام کی تحقیق) (۳) منیح الخیر فی الحج عن الغیر یعنی حج بدل کے احکام، (۴) مقامِ صحابہؓ (مشاجرات صحابہ اور عدالت صحابہ کی مکمل بحث اور سلف صالحین کا طرز عمل (۵) اسلامی ذبیحہ (ذبیحہ کے شرعی احکام مفصل و یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کی بحث، تحریفات کی تردید) (۶) اعضائے انسانی کی پیوند کاری، (۷) بیمۂ زندگی (۸) پراویڈنٹ فنڈ (۹) اسلام اور سوشلزم (۱۰) اسلامی نظام میں اقتصادی اصلاحات، فللہ الحمد والمنۃ ۱۲ منہ

تصنیفِ کتاب کی یہ لمبی کہانی احقر کے لئے تو ایک یادداشت اور شکر گذاری کے لئے ایک تذکرہ ہے مگر عام لوگوں کے ذوق کی چیز نہیں، اس کے باوجود اس لئے لکھا کہ لوگوں کو میری اس جسارت کا عذر معلوم ہو جائے۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تفسیر قرآن پر مستقل تصنیف کے لئے جرأت کرنے کا میرے لئے دور دور بھی کوئی احتمال نہ تھا، مگر غیر ارادی طور پر اس کے اسباب ہوتے چلے گئے، البتہ زمانہ دراز سے ایک تمنا دل میں تھی کہ حکیم الامت مجدد الملت سیدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی تفسیر بیان القرآن جو ایک بے نظیر، مختصر مگر جامع تفسیر اور سلف صالحین کی تفسیروں کی لب لباب ہے، لیکن وہ علمی زبان اور علمی اصطلاحات میں لکھی گئی ہے آجکل کے عوام اس سے استفادہ کرنے سے قاصر ہو گئے ہیں اس کے مضامین کو سہل زبان میں پیش کر دیا جائے، مگر یہ کام بھی کافی محنت اور فرصت چاہتا تھا، پاکستان میں آنے سے پہلے کچھ شروع بھی کیا پھر رہ گیا تھا، معارف القرآن کی اس تحریر نے بحمد اللہ وہ آرزو بھی پوری کر دی، کیونکہ اس تفسیر کی بنیاد احقر نے بیان القرآن ہی کو بنایا ہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

معارفُ القرآن کی خصوصیات والتزامات

(۱) تفسیر قرآن جو عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں ہو اس میں سب سے اہم اور احتیاط کی چیز قرآن کا ترجمہ ہے، کیونکہ وہ اللہ کے کلام کی حکایت ہے، اس میں ادنیٰ سی کمی بیشی بھی اپنی طرف سے روا نہیں، اس لئے میں نے خود کوئی ترجمہ لکھنے کی ہمت نہیں کی، اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، کیونکہ اکابر علماء یہ کام بڑی احتیاط کے ساتھ انجام دے چکے ہیں، اردو زبان میں اس خدمت کو سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دو فرزند ارجمند حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے اپنے طرز میں انجام دیا، اول الذکر ترجمہ میں بالکل تحت اللفظ ترجمہ کو اختیار کیا گیا ہے، اردو محاورہ کی بھی زیادہ رعایت نہیں رکھی گئی، اور بڑے کمال کے ساتھ قرآن کے الفاظ کو اردو میں منتقل فرمایا ہے، اور دوسرے ترجمہ میں تحت اللفظ کے ساتھ اردو محاورہ کی رعایت بھی ہے، جس کو حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے چالیس سال مسجد میں معتکف رہ کر پورا کیا ہے، یہاں تک کہ آپ کا جنازہ مسجد ہی سے نکلا ہے، دار العلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا فرمانا ہے کہ بلاشبہ یہ ترجمہ الہامی ہے، انسان کے بس کی بات نہیں کہ ایسا ترجمہ کر سکے، شیخ العرب والعجم سیدی حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے اپنے وقت میں جب یہ دیکھا کہ اب بہت سے محاورات بدل جانے کی وجہ سے بعض مقامات میں

ترمیم کی ضرورت ہے تو انہوں نے اسی ترجمہ کی یہ خدمت انجام دی، جو ترجمہ شیخ الہندؒ کے نام سے معروف و مشہور ہوا۔ احقر نے قرآن کریم کے زیر متن اسی ترجمہ کو بعینہٖ لیا ہے۔

(۲) سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے اصل تفسیر بیان القرآن کو اس انداز میں لکھا ہے کہ متن قرآن کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ ہی اس کی تفسیر و توضیح قوسین کے درمیان فرمائی ہے، ترجمہ کو اس کے اوپر خط دے کر اور تفسیر کو بین القوسین لکھ کر ممتاز کر دیا ہے، اس طرح خط کشیدہ الفاظ میں ترجمہ قرآن ہے، اور بین القوسین اس کی تفسیر ہے، بہت سے لوگوں نے اسی خط کشیدہ ترجمہ کو الگ کر کے قرآن مجید کے زیر متن ترجمہ حکیم الامتؒ کے نام سے خود حضرتؒ کے زمانے میں شائع بھی کر دیا تھا۔

مجھے چونکہ بیان القرآن کی تسہیل کا کام پہلے سے پیش نظر تھا اس وقت احقر نے حضرتؒ کی اس تفسیر کو بنام "خلاصہ تفسیر" شروع میں بعینہٖ صرف ایک تصرف کے ساتھ نقل کر دیا ہے، وہ یہ کہ اس تفسیر میں جس جگہ خاص اصطلاحی اور مشکل الفاظ آئے تھے وہاں ان کو آسان لفظوں میں منتقل کر دیا، اور اس کا نام خلاصہ تفسیر رکھنا اس لئے موزوں ہوا کہ خود حضرتؒ نے خطبہ بیان القرآن میں اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کو تفسیر مختصر یا ترجمہ مطول کہا جا سکتا ہے۔

اور اگر کوئی مضمون ہی خالص علمی اور مشکل تھا تو اس کو یہاں سے الگ کر کے معارف و مسائل میں اپنی آسان عبارت میں لکھ دیا، تاکہ مشغول آدمی اگر زیادہ نہ دیکھ سکے تو اس خلاصۂ تفسیر سے ہی کم از کم مفہوم قرآنی کو پورا سمجھ لے، ان دونوں چیزوں کا التزام جلد اول کی طبع اول میں پارہ الۗمّۗ کے ربع اول آیت نمبر ۴۴ معارف جلد اول صفحہ ۱۵۶ تک نہیں ہو سکا تھا، اب طبع ثانی میں اس حصہ کو بھی مکمل کر کے پوری تفسیر کے مطابق کر دیا گیا ہے، البتہ ایک التزام جو جلد ثانی سے شروع ہوا کہ متن قرآن کے نیچے ترجمہ شیخ الہندؒ لکھا جائے یہ پہلی طباعت کی پوری جلد اول میں نہیں تھا، طبع ثانی میں اس کو بھی تحت المتن لکھ کر سب کے مطابق کر دیا گیا، یہ دونوں کام تو اکابر علماء کے تھے۔

(۳) تیسرا کام جو احقر کی طرف منسوب ہے وہ "معارف و مسائل" کا عنوان ہے، اس میں بھی غور کیا جائے تو احقر کی صرف اردو عبارت ہی ہے، مضامین سب علماء سلف کی تفسیروں سے لئے ہوئے ہیں جن کے حوالے ہر جگہ لکھ دیئے ہیں، اس میں احقر نے چند چیزوں کا التزام کیا ہے:

(الف) علماء کے لئے تفسیر قرآن میں سب سے پہلا اور اہم کام لغات کی تحقیق، نحوی ترکیب، فنِ بلاغت کے نکات اور اختلافِ قراءت کی بحثیں ہیں جو بلاشبہ اہلِ علم کے لئے فہمِ قرآن میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اسی کے ذریعہ قرآن کے صحیح مفہوم کو پایا جا سکتا ہے

لیکن عوام تو عوام ہیں آجکل کے بہت سے اہل علم بھی ان تفصیلات میں اُلجھن محسوس کرتے ہیں، بالخصوص عوام کے لئے تو یہ بحثیں ان کی فہم سے بالا اور اصل مقصد میں مخل بنتی ہیں، وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا مشکل کام ہے، حالانکہ قرآن کریم کا جو اصل مقصد ہے کہ انسان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ قوی ہو اور اس کے نتیجے میں مادّی تعلقات اعتدال پر آجائیں کہ وہ دین کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں، دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر پیدا ہو، اور انسان اپنے ہر قول و فعل پر یہ سوچنے کا عادی ہو جائے کہ اس میں کوئی چیز اللہ اور اس کے رسول ؐ کی مرضی کے خلاف تو نہیں، اس چیز کو قرآن نے اتنا آسان کر دیا ہے کہ معمولی لکھا پڑھا آدمی خود دیکھ کر اور بالکل اَن پڑھ جاہل سن کر بھی یہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے، قرآن کریم نے خود اس کا اعلان فرما دیا ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (۵۴:۱۷)۔

تفسیر "معارف القرآن" میں عوام کی سہولت کے پیشِ نظر ان علمی اور اصطلاحی بحثوں کی تفصیل نہیں لکھی گئی، بلکہ ائمہ تفسیر کے اقوال میں جس کو جمہور نے راجح قرار دیا ہے اس کے مطابق تفسیر لے لی گئی اور کہیں کہیں بضرورت یہ بحث بھی لکھی ہے تو وہاں بھی اس کا لحاظ رکھا گیا کہ خالص علمی اصطلاحات اور غیر معروف اور مشکل الفاظ نہ آئیں، اور اسی لئے ایسی مباحث علمیہ کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے جو عوام کے لئے غیر ضروری اور ان کی سطح سے بلند ہیں۔

(ب) مستند و معتبر تفاسیر سے ایسے مضامین کو اہمیت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جو انسان کے دل میں قرآن کی عظمت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کی عظمت و محبت کو بڑھائیں اور قرآن پر عمل اور اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف مائل کریں۔

(ج) اس پر تو مؤمن کا ایمان ہے کہ قرآن کریم قیامت تک آنے والی نسلوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے، اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام مسائل کا حل اس میں موجود ہے، بشرطیکہ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان و تشریح کی روشنی میں دیکھا اور پڑھا جائے، اور اس میں پورے تدبّر سے کام لیا جائے، اسی لئے ہر زمانہ کے علماءِ تفسیر نے اپنی اپنی تفسیروں میں اُن جدید مسائل اور مباحث پر زیادہ زور دیا ہے جو اُن کے زمانہ میں پیدا ہوئے، یا ملحدین اہل باطل کی طرف سے شکوک و شبہات کی صورت میں پیدا کر دیئے گئے، اسی لئے قرونِ متوسطہ کی تفسیریں معتزلہ، جہمیہ، صفواتیہ وغیرہ فرقوں کی تردید اور ان کے شبہات کے ازالہ سے پُر نظر آتی ہیں، احقر ناکارہ نے بھی اسی اصول کے تحت ایسے ہی مسائل اور مباحث کو اہمیت دی ہے جو یا تو اس زمانے کے مشینی دور نے نئے نئے پیدا کر دیئے، اور یا اس زمانہ کے ملحدین اور یہودی اور نصرانی مستشرقین نے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لئے کھڑے کر دیئے، جدید مسائل کے حل کے لئے مقدور بھر اس کی کوشش کی ہے

کہ قرآن و سنت یا فقہاءِ امت کے اقوال میں اس کا کوئی ثبوت ملے یا کم از کم اس کی کوئی نظیر ملے، اور الحمد للہ اس میں کامیابی ہوئی، ایسے مسائل میں دوسرے علمائے عصر سے مشورہ لینے کا بھی التزام کیا گیا ہے اور ملحدانہ شکوک و شبہات کے ازالہ میں بھی مقدور بھر اس کی کوشش رہی ہے کہ جواب اطمینان بخش ہو، اور اس جواب دہی کے لئے اسلامی مسائل میں ادنیٰ ترمیم کو گوارا نہیں کیا جیسا کہ دورِ حاضر کے بعض مصنفین نے اس جواب دہی میں خود اسلامی مسائل میں تاویلیں کر کے ترمیم کر ڈالنے کا طریقہ اختیار کیا ہے، یہ سب کچھ اپنی معلومات اور اپنی کوشش کی حد تک ہے جس میں بہت سی خطاؤں اور لغزشوں کا احتمال ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں، اور ان کی اصلاح کا راستہ نکال دیں۔

مذکور الصدر التزامات نے تفسیر معارف القرآن کو مندرجہ ذیل چیزوں کا جامع بنا دیا ہے:۔

(۱) قرآن مجید کے دو مستند ترجمے ایک حضرت شیخ الہندؒ کا جو دراصل شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ ہے، دوسرا حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ترجمہ۔

(۲) خلاصۂ تفسیر جو درحقیقت بیان القرآن کا خلاصہ مع تسہیل ہے جس کو علیحدہ بھی قرآن مجید کے حاشیہ پر طبع کر لیا جائے تو تھوڑی فرصت والوں کے لئے فہم قرآن کا مستند اور بہترین ذریعہ ہے، اس نے ایک اور ضرورت کو پورا کر دیا جس کی طرف مجھے اخی فی اللہ مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدینہ منورہ نے علامہ فرید وجدیؒ کی ایک مختصر تفسیر حاشیہ قرآن پر دکھلا کر توجہ دلائی تھی کہ کاش اردو میں بھی کوئی ایسی تفسیر ہوتی جو اس کی طرح مختصر اور آسان ہو، اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ آرزو بھی پوری فرما دی، یہ دونوں چیزیں تو اکابر علماء کی مستند اور معروف ہیں۔

(۳) تیسری چیز معارف و مسائل ہیں جو میری طرف منسوب ہیں، اور میری محنت کا محور ہیں، الحمد للہ کہ اس میں بھی میرا اپنا کچھ نہیں، سب اسلافِ امت ہی سے لیا ہوا ہے، آجکل کے اہل علم و اہل قلم اکثر اس فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی کوئی تحقیق اور اپنی طرف سے کوئی نئی چیز پیش کریں، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوں کہ اس سب کام میں میرا اپنا کچھ نہیں ہے ؎

ایں ہمہ گفتیم ولیکن اندر بسیچ
بے عنایاتِ خدا ہیچیم و ہیچ

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اسأل الصواب والسداد فی المبدء والمعاد وبہ استعین من زلۃ القدم فیما علمت وما لا اعلم وایاہ اسأل ان یجعلہ خالصاً لوجہہ الکریم وان یتقبلہ منی کما تقبل من صالحی عبادہ وان ینفعنی بہ یوم لا ینفع مال ولا بنون ولہ الحمد اوّلاً وآخراً وظاہراً وباطناً وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ وصفوۃ رسلہ خاتم انبیائہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔

بندۂ ضعیف ناکارہ محمد شفیع خادم دار العلوم کراچی
۲۵ ر شعبان ۱۳۹۲ھ